حیثیت رکھتا ہے۔

معیار:

جب آزمائش کے ذریعے نمبرات دے دیئے جائیں تو مجموعی ریکارڈ کو سامنے رکھ کر اور حاصل کردہ نمبرات سال بھر کے آزمائشوں کے ذریعے یکجا کر کے طلبا کا معیار متعین کیا جائے پھر سال کے آخر میں طلبا کا معیار قائم کیا جائے جو "کیفی" اور "عددی" (مقداری) صورت پر منحصر ہو پھر اگلے درجے میں ترقی دی جائے۔

فکری وتحقیقی نشست کا اہتمام

مجلس تفسیر، جامعہ کراچی کے زیرِ اہتمام ہر انگریزی مہینے کے پہلے اتوار کو صبح دس بجے، ایک ماہانہ علمی وفکری وتحقیقی نشست کے اہتمام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جس میں اسلام اور اسلام کے تعلق سے پیدا ہونے والی مختلف النوع تحقیقات کو مقالات کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ ہر نشست میں کسی بھی ایک صاحب فکر ونظر اور محقق کو اپنا مقالہ پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔ مقالہ پیش کرنے یا اس نشست میں شریک ہونے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

مقالہ نگاروں سے گزارش ہے کہ وہ اپنا مقالہ پیش کرنے سے کم از کم ایک ہفتہ قبل، مجلس تفسیر کے سربراہ ڈاکٹر شکیل اوج سے رابطہ کریں۔ تاکہ مقالہ نگار اور ان کے عنوان مقالہ کی مناسب نشر واشاعت قومی اخبارات کے ذریعے ممکن ہو سکے۔

مجلس میں پیش کیے جانے والے منتخب مقالات مجلہ "التفسیر" میں شائع کیے جائیں گے۔

فکری نشست کا انعقاد C-43 اسٹاف ٹاؤن، یونیورسٹی کیمپس، یونیورسٹی آف کراچی میں کیا گیا ہے۔

برائے رابطہ: 021-4802368

0300-2236558

E-mail: sascom7@yahoo.com

اسلام اور دہشت گردی عصر حاضر کے تناظر میں

شاکر حسین خان

ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

اسلام دین فطرت ودین اکمل ہے، اس دین میں انسانی زندگی سنوارنے اور اسکی تعمیر کرنے کی مکمل صلاحیت موجود ہے، یہ دین ایک مکمل نظام حیات رکھتا ہے، انسان اسلام کے پیش کردہ سنہرے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا وعاقبت دونوں سنوار سکتا ہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس دین کی تبلیغ کے لیے تشریف لائے اور آخر کار اس دین کی تکمیل جناب خاتم النبین رسول اللہ ﷺ پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم (الخ)[1] کے نزول کے موقع پر ۹ ذی الحجہ سن ۱۰ ہجری بمقام عرفات بروز جمعہ ہوئی اور اسلام کو تا قیامت آنے والے لوگوں کے لیے دین قرار دے دیا گیا، اس دین کو اللہ تعالیٰ نے بھی پسند فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان الدین عند اللہ الاسلام[2] "بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، گویا دین سے مراد صرف اسلام ہے اور اسلام کے سوا باقی تمام ادیان باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ[3] "اور جو کوئی اسلام کے سوا دوسرا دین چاہے تو وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا"۔

دین کے ایک معنی جزا کے ہیں، دین کو دین اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جزا کا سبب بنتا ہے

۵۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ملك يوم الدين ۶ ''مالک روز جزا کا'' اس آیت کے تحت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں ''دین کا معنی ہے حساب اور جزا علیہ کہتا ہے حصادك يوما زرعت وانما يدان الفتى يوما كما هوا دائن ثواب وعذاب کی تعبیر لفظ ''دین'' سے کی تا کہ پتہ چلے کہ یہ ثواب و عذاب بلاوجہ نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال کا طبعی ثمر ہے۔ ۷

اسلام کا مادہ اشتقاق سلم ہے اسکے لغوی معنی بچنے، محفوظ رہنے اور امن وسلامتی میں آنے کے ہیں، اسکے باب افعال سے لفظ اسلام بنا ہے جس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں، اسلام میں امن وسلامتی کا مفہوم دو اعتبار سے موجود ہے ایک یہ کہ خود امن وسلامتی پالینے سے عبارت ہے اور دوسرا یہ کہ دوسروں کو سلامتی فراہم کرنے سے عبارت ہے۔ ۸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۹ کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (الخ) ۱۰ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس حدیث میں اسلام کا مادہ اشتقاق سلم موجود ہے گویا مسلمان ہونا، اسلام قبول کرنا نام ہے اپنے آپ اور دوسرے لوگوں کو محفوظ کرنے کا، خود کا اور دوسروں کو امن وسلامتی پہنچانے کا۔ ان معنی سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلام سراپا ہے امن وسلامتی کا، اگر انسان اسلام قبول کرلے تو وہ سلامتی پالیتا ہے اگر کوئی انسان کسی مسلمان کے پاس آجائے تو وہ سلامتی میں آجاتا ہے اگر کسی خطۂ ارض پر اسلام کا عملی نفاذ ہو جائے تو وہ جگہ دارالاسلام ہو جاتی ہے۔

سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا اسلامی فضائل اخلاق میں سے ایک خلق ہے، اسلام نے سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کو اہمیت دی ہے، سلام کرنا مسلمانوں کا شعار اور اسلامی معاشرے کا رواج ہے لوگوں کو سلام کرنا مستحب اور سلام کا جواب دینا واجب ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے یہود اور نصاریٰ کے سلام کا جواب دینے کا بھی حکم ارشاد فرمایا ۱۱ اور آپ کی سنت سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک ایسی مجلس کو سلام کیا جس میں متعدد مذاہب کے لوگ تھے ۱۲ ''السلام علیکم'' کے معنی ہیں آپ پر سلامتی ہو، سلام کو عام کرنے سے سلامتی کا معاشرہ تشکیل پاتا ہے اس لیے اسلام میں سلام کرنے کا حکم موجود ہے۔ متعدد احادیث سلام کرنے کی فضیلت واہمیت پر وارد ہوئی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْکَلَامِ ۱۳ یعنی کلام سے پہلے سلام کرنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اذا انتهى احد

كم الى مجلس فليسلم فان بداله ان يجلس فليجلس ثم اذا قام فليسلم ۱۴ ''جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے پھر اگر بیٹھنے کی ضرورت ہو تو بیٹھ جائے اور جب چلنے لگے تو دوبارہ سلام کرے''۔ ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ نزدیک وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے ۱۵ ایک حدیث میں آیا کہ اسلام کی سب سے اچھی عادت لوگوں کو کھانا کھلانا اور ہر آشنا و نا آشنا کو سلام کرنا ہے ۱۶ کھانا انسان کی اہم ترین ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا یہ رواج ہے کہ مختلف مواقع پر عزیزوں، دوستوں اور غریبوں کے لیے کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ سلام کرنا سلامتی کی دعا ہے ان افعال پر عمل پیرا ہونے سے انسانوں میں آپس میں اُنس پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ سلام کرنا بعض اوقات لوگوں کو برائی سے روکنے کا بھی ذریعہ بن جاتا ہے برے لوگوں کو سلام کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا طریقہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے و عباد الرحمن الذين يمشون على الارض هونا و اذا خاطبهم الجهلون قالوا سلما ۱۷ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی اور وقار سے چلتے ہیں اور جب کوئی جذباتی ان سے الجھنے لگتا ہے تو وہ اس پر سلامتی بھیجتے ہیں (یعنی ان سے الجھتے نہیں)۔

صلوٰۃ (نماز) اسلام کا ایک اہم رکن ہے اسلام نے اس اہم ترین عبادت (نماز) میں بھی سلام کو فرض قرار دیا، مسلمان دوران نماز نبیوں و اللہ تعالیٰ کے دیگر مقبول بندوں پر سلام پیش کرتے ہیں اور اختتام نماز اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق کو بھی سلام میں شامل کر لیتے ہیں اسلام کے ماننے والے خود بھی سلامتی پاتے ہیں اور دوسروں پر بھی سلامتی کا باعث بنتے ہیں اسلام کے ماننے والوں پر دنیا میں بھی سلامتی ہے اور آخرت میں بھی سلامتی ہوگی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، فمن تبع هداى فلا خوف عليهم و لا هم يحزنون ۔ ۱۸ ''تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ یعنی اسلام کا پیروکار ہر خوف وحزن سے نجات حاصل کر لیتا ہے، وہ سلامتی میں آجاتا ہے اس پر دنیا میں بھی سلام ہوتا ہے اور آخرت میں بھی، اس پر خالق کا بھی سلام ہوتا ہے اور مخلوق کا بھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تحيتهم يوم يلقونه سلم ۱۹ انہیں یہ دعا دی جائیگی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو''۔

اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق و مالک ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے پیار و محبت، امن و آشتی سے اس کی دھرتی پر چل پھر رہے ہیں، اس کی دھرتی پر اس کے متعین کردہ احکامات کا عملی نفاذ کریں اور نیکی

کی دعوت کو عام کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے لوگوں کو برائی اور بدی کے کاموں سے روکتے رہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔۲۰ "یہ وہ لوگ ہیں (اہل ایمان) اگر ہم انہیں زمین پر اقتدار عطا کریں تو یہ نماز وزکوۃ کا نظام نافذ کریں اچھی بات کا حکم دیں اور برائی سے روکیں"۔ گویا اسلامی مملکت کے سربراہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نماز وزکوۃ کا نظام عملاً نافذ کرے اور اپنے اقتدار کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو ہر طرح کی برائی، ظلم وزیادتی اور دہشت گردی سے روکے۔

لوگوں کو برائی سے روکنا صرف حاکم ہی کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان پر اس کی استطاعت کے مطابق فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ ط۲۱ "تم بہترین امت ہو تمام امتوں سے جو ظاہر ہوئیں تو تم حکم دو بھلائی کا اور برائی سے روکو اور اللہ پر یقین رکھو" اسلامی ریاست کا سربراہ ہو یا اس ملک کا باشندہ سب پر لازم ہے کہ وہ ہر طرح کی برائی اور دہشت گردی کو اپنی اپنی استطاعت کے مطابق روکیں اور نیکی و پرہیزگاری کے افعال میں ایکدوسرے کے ساتھ تعاون کریں تاکہ ہر قسم کے فتنہ وفساد کا سدباب ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وتعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔۲۲ "باہم مدد کرتے رہو نیکی اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ و زیادتی پر" گویا ہر قسم کی برائی، فتنہ، فساد، ظلم بغاوت، ڈاکہ زنی، قتل غارت گری وغیرہ کی روک تھام کے سلسلے میں ایکدوسرے کی معاونت کرنی چاہیے یہ حکم خداوندی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مذکورہ قبیح افعال خصوصاً فساد پھیلانے اور بے گناہ انسانوں کا قتل کرنے کی پرزور مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ویفسدون فی الارض ط اولٰئک ھم الخسرون۔۲۳ "اور فساد ڈالیں زمین میں وہی خسارہ پانے والے ہیں"۔ اور فرمایا ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ط ذلکم خیر لکم ان کنتم مؤمنین۲۴ "اور نہ فساد مچاؤ زمین میں اسکے پرامن ہونے کے بعد یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مانو" اور فرمایا و اذا تولیٰ سعٰی فی الارض لیفسد فیھا و یھلک الحرث والنسل ط واللہ لا یحب الفساد۲۵ "اور جہاں پیٹھ پھیری تو زمین میں دوڑ دھوپ کرنے لگا تاکہ اس میں فساد مچائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا فساد کو" مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فساد پھیلانے والوں کی پرزور مذمت فرمائی اور ان فسادیوں

دہشت گردوں کو خسارہ پانے والا قرار دیا اور یہ بھی حاصل ہوا کہ عصر حاضر میں رائج اطوار حرب صحیح نہیں اس طرح بے گناہ انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور جنگ دہشت گردی کی صورت اختیار کر جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے دین میں دہشت گردی کی بالکل گنجائش نہیں اسلام راستہ روکتا ہے ہر برائی کا اسلام مخالف ہے برائی پھیلانے والوں کا، اسلام خاتمہ چاہتا ہے فتنہ وفساد اور ہر قسم کی دہشت گردی کا۔

اللہ تعالیٰ کے دین میں ایسا شخص پوری انسانیت کا قاتل تصور کیا جاتا ہے جو فتنہ پرور اور بے گناہ انسانوں کا قاتل ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انہ من قتل نفسا م بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ط ۲۶ "جس نے کسی جان کو قتل کیا، نہ جان کے بدلے اور نہ زمین پر مجرمانہ شورش کی سزا میں تو اس نے گویا قتل کر ڈالا سب لوگوں کو" اسلام کی نظر میں فتنہ وفساد کرنے والے اور بے گناہ انسانوں کے قاتل سب سے بڑے مجرم ہیں خواہ وہ مجرم مسلم ہوں یا غیر مسلم دین دار یا بے دین مقلد ہو یا غیر مقلد دیسی ہو یا پردیسی قرآن مجید میں قتل کی مذمت کے بارے میں ایک یہ آیت بھی ہے ارشاد ہوتا ہے ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ط ذلکم وصٰکم بہ لعلکم تعقلون۔۲۷ "اور ناحق قتل نہ کرو اس کو جس جان کی حرمت اللہ تعالیٰ نے رکھی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ تمہیں عقل ہو" اور وہ شخص جو کسی بے گناہ انسان کا قاتل ہو تو اسکے بارے میں قرآن مجید کا یہ حکم ہے کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ۔۲۸ "تم پر فرض کر دیا گیا ہے خون کا بدلہ لینا ناحق قتل کیے گئے لوگوں کے بارے میں" اور فرمایا ولکم فی القصاص حیوۃ یا ولی الالباب لعلکم تتقون۔۲۹ "اور تمہارے لیے خون کا بدلہ لینے میں زندگانی ہے اے عقل والو! تاکہ تم (قتل کرنے سے) پرہیز کرنے لگو" اگرچہ قتل کرنا اسلام میں ناپسندیدہ اور ایک سنگین جرم ہے لیکن کسی بے گناہ انسان کے خون کا بدلہ خون ہے۔ اس سزا کی حکمت یہ ہے کہ اگر قاتل کو قتل کر دیا جائے تو بنا بریں کسی کو بے قصور انسان کو قتل کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ انسانیت کا ناحق خون نہ بہے گا دیگر انسان بھی قاتل کی سزا سے عبرت حاصل کریں گے اور معاشرہ قتل جیسے سنگین جرم سے پاک ہو جائیگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اسلامی ریاست میں قانون کو ہاتھ میں لینے کی کسی شخص کو اجازت نہیں تمام فیصلے قاضی کرے گا اس سزا میں مسلم وغیر مسلم کی تفریق نہیں مقتول مسلم ہو یا غیر مسلم ہر کسی کے ساتھ انصاف ہوگا۔ البتہ مقتول کے وارث خون بہا کے بجائے مجرم سے کچھ رقم لے کر اسے معاف کر دیں، شرعی اصطلاح میں اسے دیت کہتے ہیں یہ مقتول کے ورثاء کی مرضی ہے کہ وہ خون بہا لیں یا دیت لے کر مجرم کو معاف کر دیں۔ ایسی صورت میں بھی قاتل اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے مجرم کو توبہ کرنی

چاہیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حد کو پار کیا، قصاص و دیت حقوق العباد اور گناہ سے توبہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

اسلام نے ہر انسان کی تکریم کرنا سکھائی ہے کسی انسان کی جان بچانا اسلام کا ایک مستحسن عمل ہے اور اگر اپنی جان جانے کا خطرہ نہ ہو اور ہم دوسرے کی جان بچا سکتے ہوں تو ایسی صورت میں دوسرے انسان کی جان بچانا ہم پر فرض ہو جائیگا جان بچانے کی فضیلت یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک جان کو بچایا تو گویا اس نے تمام جانوں کو جلا بخشی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے و من احیاھا فکانمآ احیا الناس جمیعاط ۳۰ "اور جس نے مرنے سے بچایا ایک جان کو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا" ایک جان کو جلا بخشنا پوری انسانیت کو زندگی دینے کے مساوی ہے اس لیے اسلام نے انسانی زندگی کی بقا کے لیے ہر قسم کی دہشت گردی و فتنہ پروری کی پر زور مذمت کی ہے۔

اسلام نے معاشرے کو پر امن بنانے کے لیے دہشت گردوں اور فتنہ پرور لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا۔ جہاد دہشت گردی کا نام نہیں بلکہ جہاد نام ہے اس عملی جدو جہد کا جو دہشت گردی اور فتنہ پروری کی روک تھام کے لیے کی جاتی ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا علمبردار ہے، اس لیے وہ دہشت گردی کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے بلکہ اسلام دہشت گردوں اور دہشت گردی کی روک تھام اور اس سلسلے میں ہونے والے مخلصانہ کوششوں کو سراہتے ہوئے اس مہم میں حصہ لینے والوں کی غیر مشروط حمایت کرتا ہے اور اپنے پیروں کاروں کو دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ دہشت گردوں کے خلاف ہونے والی جدو جہد میں حصہ لیں اور حق کا ساتھ دیں تا کہ دنیا میں امن قائم ہو سکے بیشک اسلام سراپا رحمت اور امن و سلامتی کا پیکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر فتنہ و فساد پھیلانے کو "قتل" سے بھی زیادہ سنگین جرم قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے والفتنۃ اشد من القتل ۳۱ "اور ان کا فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے" اس لیے اللہ تعالیٰ نے فتنہ پرور لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا تا کہ فتنہ و فساد کا سدباب ہو سکے معاشرے سے دہشت گردی کا مکمل طور پر قلع قمع ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر فساد برپا کرنے والے دہشت گردوں کے لیے مختلف نوعیت کی سزائیں تجویز فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انما جزؤا الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او

ینفوا من الارض ط ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم ° الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم ج فاعلموآ ان اللہ غفور رحیم ۳۲ "ان کا بدلہ جو جنگ کریں اللہ اور اس کے رسول سے اور کرتے پھریں زمین میں جھگڑے یہ ہے کہ ایک ایک قتل کیا جائے یا پھانسی پر لٹکایا جائے یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ تراش لیے جائیں تو دوسری جانب کے پاؤں یا اپنی زمین سے نکال دئے جائیں یہ تو ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے مگر جنھوں نے توبہ کر لی قبل اس کے کہ تم انہیں گرفتار کرو تو جان رکھو کہ اللہ غفور رحیم ہے"۔ آیت مذکورہ کے تحت مفسرین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جیسا مجرم ہوگا ویسی ہی اس کو سزا ملے گی۔ اگر کوئی مجرم گرفتار ہونے سے پہلے اپنی گرفتاری پیش کردے اور توبہ کرے اور اس بات کا عہد کرے کہ وہ آئندہ ایسے قبیح افعال کا مرتکب نہیں ہوگا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے رعایت رکھی ہے۔

ان قبیح افعال کی اتنی شدید مذمت کے باوجود بھی اگر کوئی مسلمان ہو کر دہشت گردی کا مرتکب ہو تو ایسے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی یاد رکھنا چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا یاا یھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ ولا تتبعوا خطوت الشیطن ط انہ لکم عدو مبین ۳۳ "اے ایمان والوں داخل ہو اسلام میں پورے پورے اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ دہشت گردی کرنا، فتنہ فساد برپا کرنا شیطانی کام ہے اگر آپ کی عقل توحید کی قائل ہو بھی گئی اور آپ نے شیطانی عمل ترک نہ کیا اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہ گزارا اور اللہ کے قانون کو توڑتے رہے تو ایسے توحیدی ہونے اور توحید کا اقرار کرنے کا کیا فائدہ۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہٰ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں ۔ ۳۴

یعنی جب اسلام قبول کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا بھی ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری بھی بجالاؤ اور شیطان کی پیروی سے پرہیز کرو۔ کائنات میں سب سے پہلے شیطان نے فساد کیا تھا گویا فساد برپا کرنا شیطان کی پیروی ہے اور اسلام فتنہ و فساد کا مخالف ہے۔

اسلام، دہشت گردوں، ظالموں، لٹیروں اور فتنہ برپا کرنے والوں کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے خواہ وہ دہشت گرد کوئی ہوں۔ جہاد ایک مقدس لڑائی ہے جو کہ دہشت گردوں کے خلاف لڑی جاتی ہے اس لیے جہاد کے بھی کچھ اصول، قواعد و آداب ہیں اسلام صرف ان دشمنوں سے لڑنے کا حکم دیتا ہے جو کہ مقابلے کے لیے میدان میں آئے ہوں اسلام اپنے مخالفین کے بے گناہ لوگوں کے قتل اور ان پر کسی قسم کے ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کسی قوم کے ضعیفوں، عورتوں، عابدوں، راہبوں، مزدوروں، بچوں اور وہ لوگ جو اپنے اپنے گھروں میں مقیم ہوں اور دیگر جو مقابلے کے لیے میدان میں نہ آئے ہوں انہیں قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور نہ ہی عبادت گاہوں، کھیتوں اور سرسبز درختوں کو جلانے یا انہیں نقصان پہنچانے کی اجازت دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو (جہاد میں) قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔[۳۵] حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کسی غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے آپ نے دیکھا کہ لوگ ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو بھیجا، اس نے واپس آکر عرض کیا کہ ایک عورت ماری گئی ہے اس کی نعش پر لوگ جمع ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ما کانت ھذہ لتقاتل " یہ تو لڑنے والی نہ تھی (یعنی یہ عورت تو لڑنے والوں میں نہ تھی اسے کیوں قتل کیا گیا) اگلی فوج پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے آپ ﷺ نے انہیں کہلا بھیجا کہ عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو۔[۳۶] گویا عورتوں پر ہاتھ اٹھانا انہیں قتل کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں نیز اس حدیث سے یہ بھی حاصل ہوا کہ مزدور یعنی محنت کش اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں اس لیے ان پر حملہ کرنا مناسب نہیں بلکہ جرم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو روانہ کرتے وقت فرمایا'' انطلقوا بسم اللہ و با اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ لا تقتلوا شیخا فانیا و لا طفلا صغیر اولا امرأۃ ولا تغلوا وضموا غنائمکم و اصلحوا و احسنوا ان اللہ یحب المحسنین ''یعنی جاؤ اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ اور اللہ کی تائید کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر (خبردار) تم شیخ فانی (ضعیف و کمزور بوڑھا) کو نہ مارنا نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، مال غنیمت کو جمع کرنا، آپس میں صلح کرنا اور باہم اچھا سلوک رکھنا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے۔[۳۷]

صحابہ کرام علیہم الرضوان جناب رحمت عالمیان کے نائب و خلیفہ تھے اور رسول اللہ ﷺ کی

سنت پر سختی سے عمل پیرا تھے ان کا قول و فعل سنت رسول ﷺ کا آئینہ دار تھا، ان کا کردار رسول اللہ ﷺ کی سنت کا عملی نمونہ تھا جب جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے انہوں نے بھی دشمنانِ خدا کے خلاف علم جہاد کو بلند رکھا اور اسلامی ریاست میں ہونے والے فتنہ و فساد کا سدباب کیا۔ امیر المومنین نے ایک اسلامی لشکر ملک شام روانہ کیا اور روانگی کے وقت انہیں چند نصیحتیں بھی کیں وہ نصیحتیں درج ذیل ہیں۔ کسی عورت، بچے، بوڑھے یا اپاہج کو قتل نہ کرنا، کسی ثمر دار درخت کو نہ کاٹنا، بستیوں کو نہ اجاڑنا، بکریوں اور اونٹوں کو سوائے کھانے کے کام میں لانے کے نہ مارنا، کھیتوں کو برباد نہ کرنا نہ ان کو جلانا، اسراف سے بچنا، بخل سے احتراز کرنا۔[۳۸]

اسلامی جہاد کے ان اصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امن ہو یا جنگ اسلام ہر موقع پر انسانوں، حیوانوں، درختوں، کھیتوں کو سلامتی فراہم کرتا ہے۔ اسلام کسی کی عبادت گاہ کو نقصان پہنچانے کا درس نہیں دیتا اسلام کسی مذہبی رہنما کو قتل کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ اسلام تو تمام مذاہب کے عالموں، عابدوں، زاہدوں، درویشوں اور عاجزی کرنے والوں کا احترام کرتا ہے اور ان سے دوستی کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی دعوت دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے متعلق ارشاد فرمایا:
ولتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصری ، ذلک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لا یستکبرون [۳۹] "اور ضرور پاؤ گے سب سے زیادہ نزدیک دوستی میں مسلمانوں کے جنہوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں یہ اس لیے کہ ان میں بعض علم دوست اور درویش منش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے" مطلب یہ ہے کہ جو لوگ علم دوست، خدا ترس اور انسانوں کے مونس ہوں مع یہ کہ وہ غرور و تکبر بھی نہیں کرتے ہوں تو ایسے لوگوں سے دوستی کی جا سکتی ہے اسلام غیر مسلموں سے تعلق قائم کرنے اور ان سے قومی و بین الاقوامی، انفرادی و اجتماعی سطح پر دوستی و دیگر معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی اجازت دیتا ہے البتہ یہ تعاون اسلام دشمنی یا کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ کیا جائے ایسے موقع پر اسلام دشمنان خدا سے دوستی کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ یہ دوستی بدی اور برائی میں تعاون کے لیے کی جا رہی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا حبشہ کا بادشاہ نصرانی تھا۔ وہ جناب عیسیٰ مسیح روح اللہ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا اور علم و انسان دوستی کا علمبردار تھا دہشت گرد نہ تھا اس نے اپنی ہم مذہب خاتون سیدہ ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منعقد کیا یہ مسلمانوں کی نصرانیوں سے دوستی کی مثال اول ہے۔ اسلام نے اہل کتاب کا

ذبیحہ اور انکی عورتوں سے نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

اسلام معاشرے میں دوستی کی فضا قائم رکھنے اور معاشرے کے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح پر زور دیتا ہے اسلام عالمی سطح پر انسانوں کو پر امن دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان امن و آشتی کی زندگی بسر کریں۔ اسلام زبردستی کسی قوم سے جنگ وقتال نہیں چاہتا اسلام صلح کا پیغام دیتا ہے، اگر کوئی مخالف صلح چاہے تو اسلام ایسے مخالفین کی پیش کش کو قبول کرتا ہے اور اہل اسلام کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ صلح کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لها ؁ اور اگر وہ لوگ صلح کی خواہش کریں تو تم صلح کو منظور کرلو" صلح حدیبیہ و دیگر یہود سے کئے گئے معاہدات آیت مذکورہ کی عملی تفسیر اور صلح کی بہترین امثال ہیں۔ اسلام انسانوں میں اتحاد چاہتا ہے اسلام جیو اور جینے دو کے اصول کے تحت انسانوں کو متفق کرتا ہے قرآن مجید کی یہ آیت لکم دینکم ولی دین ۔؁ "تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین" عصر حاضر کے حالات وواقعات کے تناظر میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

حواشی وحوالہ جات

١۔ سورۃ المائدہ، آیت ۳

۲۔ تفسیر ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۴۴۰، حاشیہ آیت متعلقہ

۳۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۹

۴۔ سورۃ آل عمران، آیت ۸۵

۵۔ اوج، محمد شکیل، حافظ، تفہیم الاسلام (چند مغالطے اور انکے ازالے) ص ۶، شعبہ نشرواشاعت جامع مسجد نور مصطفیٰ، شاہ فیصل کالونی ۳، کراچی، مئی ۱۹۹۴ء

۶۔ سورۃ الفاتحہ، آیت ۳

۷۔ تفسیر ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۲۳، حاشیہ آیت متعلقہ

۸۔ اوج، محمد شکیل، حافظ، تفہیم الاسلام (چند مغالطے اور انکے ازالے) ص ۱۹، شعبہ نشرواشاعت جامع مسجد نور مصطفیٰ، شاہ فیصل کالونی ۳، کراچی، مئی ۱۹۹۴ء

۹۔ اس حدیث کو بخاری نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ترمذی نے سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

۱۰۔ مشکوٰۃ شریف، جلد اول، کتاب الایمان، فصل دوم، ص ۳۳، مطبوعہ ناشران قرآن، لاہور، س۔ن۔

۱۱۔ یعنی وعلیکم کہہ دیا کرو۔ سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ یہود کی ایک جماعت نے جناب نبی کریم ﷺ کو کہا "السام علیکم (یعنی تم کو موت آئے) میں نے ان کے جواب میں "علیکم السام و اللعنة (تم کو موت آئے اور تم پر لعنت بھی ہو) (یہ سن کر) جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "عائشہ اللہ تعالیٰ نرمی فرماتا ہے اور نرمی کو تمام امور میں پسند کرتا ہے، میں عرض کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے جواب میں وعلیکم (کہہ دیا تھا)، بحوالہ بخاری ومسلم۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر وہ سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب ضرور دیا جائے۔ اگر وہ سلامتی کی دعا کریں گے تو ان پر بھی "وعلیکم" کہنے سے سلامتی ہوگی اور اگر بددعا کریں گے تو "وعلیکم" کہنے سے وہ ان پر لوٹے گی یہ ان کی نیت پر ہے ہمیں نیک نیتی سے انہیں وعلیکم کہنا ہے۔

۱۲۔ سید اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جن میں مسلمان، مشرک یعنی بت پرست اور یہود اور ہر قسم کے لوگ تھے آپ نے انہیں سلام کیا، یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۳۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب السلام، فصل دوم، ص ۳۷۴، ناشران قرآن، لاہور، س۔ن

۱۴۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب السلام، فصل دوم، ص ۳۷۶، ناشران قرآن، لاہور، س۔ن

۱۵۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب السلام، فصل دوم، ص ۳۷۳، ناشران قرآن، لاہور، س۔ن

۱۶۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب السلام، فصل دوم، ص ۳۷۰، ناشران قرآن، لاہور، س۔ن

۱۷۔ سورۃ الفرقان، آیت ۶۳

۱۸۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۳۸

۱۹۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۴۴

۲۰۔ سورۃ الحج، آیت ۴۱

۲۱۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰

۲۲۔ سورۃ المائدہ، آیت ۲

۲۳۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۷

۲۴۔ سورۃ الاعراف، آیت ۸۵

۲۵۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۵

۲۶۔ سورۃ المآئدۃ، آیت ۳۲

۲۷۔ سورۃ الانعام، آیت ۱۵۱

۲۸۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۷۸

۲۹۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۷۹

۳۰۔ سورۃ المآئدہ، آیت ۳۲

۳۱۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۱

۳۲۔ سورۃ المآئدہ، آیت ۳۳۔۳۴

۳۳۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۸

۳۴۔ ضرب کلیم، ص ۲۹۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مارچ ۱۹۵۳ء

۳۵۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب القتال فی الجہاد، فصل اول، ص ۲۱۲

۳۶۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب القتال فی الجہاد، فصل اول، ص ۲۱۴

۳۷۔ مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، باب القتال فی الجہاد، فصل اول، ص ۲۱۵

۳۸۔ سیوطی، جلال الدین، حضرت علامہ، تاریخ الخلفاء، (مترجم شمس بریلوی)، ص ۱۹۷، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، اپریل ۱۹۸۷ء

۳۹۔ سورۃ المآئدہ، آیت ۸۲

۴۰۔ سورۃ الانفال، آیت ۶۱

۴۱۔ سورۃ الکافرون، آیت ۶

مولانا مظہر بقا۔ حیات و علمی خدمات

ایک مختصر جائزہ

ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی

پروفیسر شعبہ عربی، کراچی یونیورسٹی

ممتاز عالم دین، سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز بیعت شعبہ اسلامیات کراچی یونیورسٹی کے سینئر استاد اور جامعہ ام القریٰ مرکز احیاء التراث الاسلامی کے فاضل رکن حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ مکرمہ ۱۴ رجب ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۱ اگست ۲۰۰۵ء بروز ہفتہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ہجری تاریخ کے اعتبار سے ۸۶ برس تھی۔ مولانا کا اصلی نام مظہر ہے محمد کا سابقہ تبرک کے طور پر ہے اور بقا کا لاحقہ تاریخ ولادت سن ۱۳۴۰ھ کے نکالنے کے لیے ہے۔

مولانا ۲۲ شعبان ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ ہندوستان کی ایک سابق مسلم ریاست ٹونک کے ایک پرگنہ سرونج میں پیدا ہوئے یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جسکی آبادی پچاس ہزار کے قریب ہے اور یہ مدھیہ پردیش میں بھوپال سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ مولانا کے والد گرامی کا نام منشی ضامن علی تھا اور ان کی پیدائش کے بعد مظہر بقا تاریخی مناسبت سے نام رکھا گیا۔

مولانا نے ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۳ء میں سند فراغ حاصل

کی۔ دارالعلوم کے فراغ سے متصل ہی مولانا علمی شغل میں مصروف ہو گئے اور چونکہ فقہ سے خصوصی مناسبت تھی اس لئے اس میدان میں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے اور آپکا سب سے پہلا تقرر بحیثیت مفتی عدالت شریف ٹونک ہندوستان میں ہوا۔ اس منصب پر آپ نے دو سال ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۳ء خدمات انجام دیں۔ علاوہ ازیں کچھ عرصہ پرنسپل اورینٹل کالج وو جانہ ہندوستان اور استاد سعادت ہائی اسکول سرونج کی حیثیت سے قیام ہندوستان کے دوران خدمات انجام دیں۔ سرکاری ملازمت کی کشش آپ کو حیدرآباد دکن لے گئی اور وہاں آرمی ایجوکیشن کور میں جے سی او کی حیثیت سے آپ کا تقرر رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فوجی ملازمت آپ کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی تھی بہت جلد آپ نے اس منصب سے رضا کارانہ سبکدوشی حاصل کر کے شغل تجارت اپنالیا۔ پاکستان آمد کے بعد ۱۹۵۳ء میں بحیثیت نائب مفتی دارالعلوم نانک واڑہ سے منسلک ہوئے یہ سلسلہ دو سال تک چلتا رہا۔ اور آپ نے مفتی محمد شفیع صاحب کے نائب کی حیثیت سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دیں ۱۹۵۵ء میں سندھ مسلم کالج کراچی میں بحیثیت لیکچرر آپ کا تقرر رہا ۱۹۶۱ء تک آپ اس ادارہ سے منسلک رہے۔ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں لیکچرر شعبہ تقابل ادیان و اسلامک کلچر مقرر ہونے کے بعد آپ حیدرآباد منتقل ہو گئے اور دو سال تک وہاں خدمات انجام دیں، اور ۱۹۶۲ء میں کراچی یونیورسٹی نے آپ کی خدمات سے استفادہ کے لئے بحیثیت استاد آپ کو پیشکش کی جسے آپ نے قبول کیا۔ آپ نے یہاں شعبہ اسلامیات میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر و ایوسیٹ پروفیسر ۱۹۷۸ء تک ایک فعال استاد کی حیثیت سے تحقیقی اور تدریسی خدمات انجام دیں۔

کراچی یونیورسٹی میں تدریسی فرائض کی خوش اسلوبی سے انجام دہی کے ساتھ ساتھ مولانا نے تحقیقی کام بھی جاری رکھا اس دوران آپ کے کئی علمی و تحقیقی مضامین اور کتابیں پاکستان کے موقر اداروں سے شائع ہو کر اہل علم کی توجہ کا مرکز بنیں۔ جن موقر جرائد اور اداروں نے آپ کی نگارشات کو شامل اشاعت کیا ان میں فکر و نظر اسلام آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی اور ہمدرد فاؤنڈیشن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شعبہ اسلامیات کراچی یونیورسٹی میں دوران ملازمت آپ کا سب سے زیادہ موقر اور تحقیقی کام پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔ یہ مقالہ آپ نے نہایت محنت پوری دلجمعی اور لگن کے ساتھ ڈاکٹر سید محمد یوسف مرحوم صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی کی زیر نگرانی تحریر کیا۔ (مقالہ کا عنوان تھا "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" اس مقالہ پر ممتحنین کی مثبت رپورٹ کے بعد کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند عطا کی گئی مقالہ کے ممتحنین ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر فضل الرحمن قریشی تھے۔) یہ مقالہ اورجنل ریسرچ اور جدید انداز تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے اور پی ایچ ڈی کی سطح پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے ایک مثالی نہج تحقیق فراہم کرتا ہے۔ مولانا نے شاہ صاحب کے بارے میں روایتی انداز تصنیف سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے اور بعض نئے نکات اٹھائے ہیں۔ شاہ صاحب کے دور کے سیاسی حالات کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد ان کے ذہنی ارتقاء فقہی مسلک پر اس کے اثرات اور عوامل سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ سفر حرمین کے اسباب و علل کا جائزہ لینے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ابتداء میں شاہ صاحب نے فقہا محدثین کی روش اختیار کی پھر حنفیت اور شافعیت کے درمیان توفیق و تطبیق کی کوشش کی اور پھر آخری مرحلہ میں مذاہب اربعہ کے درمیان توافق اور اتحاد پیدا کرنے میں سرگرم ہو گئے شاہ صاحب کے فقہی مسلک کا خلاصہ کے عنوان سے مولانا نے درج ذیل سطور تحریر کی ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب نہ ان مقلد فقہا کی طرح ہیں جو اپنے امام کے قول سے سر مو تجاوز نہیں کرتے نہ ان اصحاب ظواہر کی طرح ہیں جو قیاس اور اجماع کو حجت نہیں مانتے نہ ان حقدمین اہل حدیث کی طرح جو مجتہدین کے اقوال کی طرف قطعاً التفات نہیں کرتے اور نہ ہمارے زمانہ کے ان اہل حدیث حضرات کی طرح جن کے ہندی پیش رو شیخ فاخر الٰہ آبادی شیخ نذیر حسین دہلوی اور نواب صدیق حسن بقول مولانا عبدالحئی، تقلید کو حرام کہتے ہیں اور قیاس اور اجماع کی حجت کے بھی منکر ہیں اور جن میں کہ بعض متشددین مقلد مثلاً شیخ عبدالحق بناری اور شیخ عبداللہ الٰہ آبادی وغیرہ مقلدین کو اہل بدعت اور اہل ہویٰ کہتے ہیں اور ائمہ خصوصاً امام ابوحنیفہ کی عزت کے درپے ہیں شاہ صاحب ایک فقیہ محدث کی طرح مجتہدین کے اقوال اور احادیث دونوں کو پیش نظر رکھتے ہیں"[1]

آخر میں ساری بحث کا خلاصہ اس دلچسپ جملہ پر ختم کیا ہے:

"شاہ صاحب پر سب سے زیادہ غلبہ تصوف کا ہے اور ان کے فقہی مذہب کی زمام بھی ان کے تصوف کے ہاتھ میں ہے"[2]

شاہ صاحب کے مسلک کے تعین کے بعد مولانا مرحوم نے اصول فقہ اور اسکی تدوین کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے بعد اصول فقہ کی بعض اہم اصطلاحات کی تشریح کی ہے اور ان اصطلاحات کے بارے میں شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کا بڑی تفصیل سے مطالعہ کیا ہے خصوصاً اجماع کی حجیت اور وقوع کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ وقوع اجماع کے بارے میں شاہ صاحب تضاد بیانی کا شکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"صحابہ کے بعد لوگوں کے اجماع کو شاہ صاحب تسلیم تو کرتے ہیں لیکن اس باب میں ان کے متضاد بیانات ملتے ہیں کہ صحابہ کے بعد بھی اجماع کا وقوع ہوا ہے یا نہیں شاہ صاحب کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع صرف خلفاء ثلاثہ کے زمانہ تک ہوا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع صحابہ کے بعد بھی ہوتا رہا ہے"۔[۴۳]

کشف وجدان کا شاہ صاحب کی زندگی میں کس قدر دخل ہے اس پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"شاہ ولی اللہ کو ان کی تصریح کے مطابق اگرچہ تین باتیں عطا کی گئی تھیں برھان، وجدان، اور سمع (علم منقول) اور ہر مرحلہ میں یہ تینوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی زندگی میں وجدان کو برہان پر تقدم حاصل ہے یعنی پہلے انہیں کسی بات کا کشف ہوتا ہے اور پھر اسے حق مان کر اس کے مطابق دلائل قائم کر دیتے ہیں۔ چنانچہ فقہی مسلک کے سلسلہ میں شاہ صاحب پر جو یہ مراحل گزرے ہیں ان میں ان کے وجدان کو اتنا دخل ہے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کا فقہی مسلک اصل میں وجدان پر مبنی ہے اور تمام دلائل کی حیثیت محض تائیدی ہے۔ سفر حرمین سے قبل ان کا جو رجحان ہوا اس میں بھی نور غیبی کا دخل ہے حرمین پہنچ کر مذاہب اربعہ میں تقلید یہ بھی حضور ﷺ کے روحانی حکم کا نتیجہ ہے، حنفی اور شافعی مذہب کو ملا کر ایک کرنے کا رجحان بھی زملاء اعلیٰ کی طرف سے قلب میں پیدا شدہ ایک داعیہ کا نتیجہ ہے مذاہب اربعہ کو ایک سطح پر سمجھنا یہ بھی حضور کے روحانی ارشاد کا اثر ہے مذہب حنفی کو سنت کے موافق کرنے کا طریقہ بھی حضور کے روحانی ارشاد اور کشف پر مبنی ہے مؤطا کو اختیار کرنے کی بنیاد بھی الہام پر ہے، جس فقہ کی بنیاد رکھی وہ بھی خلعت فاتحیت سے نوازے جانے کے بعد روحانی تعلیم کا نتیجہ ہے اور انہیں اجتہاد کا جو مقام حاصل ہوا اس میں بھی ورد غیبی شامل ہے"۔[۴۴]

اس اقتباس میں جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ محض ظن اور تخمین پر مبنی نہیں۔ مولانا نے تفہیمات، فیوض الحرمین، انفاس العارفین، الدر الثمین اور مصفّٰی کے مقدمہ سے باقاعدہ حوالے نقل کیے ہیں۔[۴۵]

کتاب کے آخر میں تقلید کے موضوع پر بڑی سیر حاصل گفتگو ہے غرض یہ کہ پوری کتاب ریسرچ و تحقیق کا اعلیٰ شاہکار اور مولانا کے وسعت مطالعہ، دقت نظر، ناقدانہ اسلوب پر دال ہے۔ ۱۹۷۸ء میں مولانا جامعہ ام القریٰ کے انتہائی وقیع ادارہ معہد البحوث، مرکز احیاء التراث الاسلامی مکہ مکرمہ سے بحیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر وابستہ ہو گئے کسی پاکستانی کا بحیثیت محقق اس ادارہ سے وابستہ ہونا نہ صرف یہ کہ ایک اعزاز کی بات ہے بلکہ یہ مولانا کی صلاحیتوں کی عالمی پیمانہ پر اعتراف کی ایک روشن مثال بھی ہے

مولانا نے یہاں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور دنیا بھر کے چوٹی کے علماء کے درمیان اصول فقہ کے ایک ماہر کی حیثیت سے نام پیدا کیا اور کئی نادر مخطوطات کو جدید انداز میں ایڈٹ کیا اور پانچ جلدوں میں معجم الاصولیین کے نام سے اصول فقہ کے ماہرین کے حالات جمع کیے۔ مولانا کی عربی زبان میں بعض تصانیف کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

تحقیق المختصر فی اصول الفقه علی مذهب الامام احمد بن حنبل

یہ کتاب مشہور حنبلی عالم علی بن محمد بن علی بن عباس بن شیبان البعلی الدمشقی المتوفی ۸۰۳ھ کی تالیف ہے ان کا لقب علاء الدین اور کنیت ابوالحسن ہے عام طور پر علمی حلقوں میں ابن اللحام کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا شمار فقہ حنبلی کے ممتاز اور نمایاں فقہاء میں ہے۔ اصول فقہ میں یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود بڑی جامع مصنف کے تبحر علمی اور اصول فقہ میں مہارت پر دال ہے۔ مولانا نے اس کتاب پر مقدمہ کے علاوہ نہایت مفید حواشی تحریر کیے ہیں اور کئی نسخوں سے متن کا تقابل کیا ہے۔ ۱۴۰۰ھ میں یہ کتاب مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔

تحقیق کتاب بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب

ہمارے یہاں علامہ ابن حاجب کی شہرت ان کی کتاب کافیہ کے حوالے سے ہے اور ایک باکمال نحوی کی حیثیت سے اہل علم ان سے متعارف ہیں لیکن یہ نحو میں مہارت کے ساتھ ساتھ علوم عربیہ صرف و بلاغت عروض ادب اور شاعری کے علاوہ ایک فقیہ اصولی، متکلم اور علم قراءت وغیرہ میں بھی بڑی شہرت کے حامل اور صاحب تصانیف تھے۔ اصول فقہ میں لکھے گئے ان کے ایک مختصر رسالے کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسکی سات ممتاز علماء نے مختلف اوقات میں شروح تحریر کیں جو السبع السیارہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان ہی میں ایک شرح بیان المختصر بھی ہے جس کے مؤلف شمس الدین ابوالثناء محمود بن عبدالرحمٰن بن احمد الاصفہانی المتوفی ۷۴۹ھ ہیں مولانا مظہر بقا نے اس شرح کو نہایت تفصیل کے ساتھ ایڈٹ کیا ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ متن کی کامل تصحیح کے ساتھ کئی قلمی نسخوں سے اسکا تقابل کیا ہے۔ مصنف اور شارح کے مفصل حالات تحریر کیے ہیں ان کی تصانیف کا تفصیلی تعارف کرایا ہے نیز اصول فقہ کے بعض مباحث پر نہایت گراں قدر حواشی تحریر کیے ہیں۔

مقدمہ میں ابن حاجب کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا نے منتھی السول والامل فی

علمی الاصول والجدل اور مختصر منتہی السول والامل کو علیحدہ دو مستقل کتابوں کی حیثیت سے شمار کیا ہے ہمارے خیال میں یہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔ اس مختصر کو علماء تراجم نے کئی ناموں سے درج کیا ہے خود مولانا نے کتاب کی شرح میں حاشیہ تحریر کرتے ہوئے اس کتاب کے مختلف نسخوں کا حوالہ دیتے ہوئے درج ذیل نام سے تحریر کیے ہیں۔

۱۔ مولانا نے جس نسخہ کو اصل کی حیثیت دی ہے اس میں کتاب کا نام منتہی الاصول والامل فی علمی الاصول والجدل ہے۔

۲۔ نسخہ الف وباء میں منتہی الوصول ہے اور مولانا نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

۳۔ مفتاح السعادۃ اور حسن المحاضرہ کے حوالے سے منتہی السوال نقل کیا ہے اور پھر اسے غلط بتایا ہے۔

۴۔ نسخہ جیم میں منتہی السول درج ہے۔

اس طرح مولانا نے نام کے تعین کے ذیل میں میں مطبوعہ نسخہ کا حوالہ بھی دیا ہے اور اسمیں منتہی الوصول درج بتایا ہے ہمارے زیر مطالعہ اس کتاب کا جو مطبوعہ نسخہ ہے وہ نہایت قدیم اور مطبع کردستان العلمیہ قاہر ومصر سے ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوا ہے اس کتاب کے سرورق پر تحریر ہے:

قد قوبل هذا المتن وصحح على نسخة فى غاية الصحة ونهاية الضبط والا تقان مكتوبة فى اوائل جمادى الاولى سنة ثمانين وثمانة .

اس طرح اس مطبوعہ نسخہ کا مقابلہ جس قلمی نسخہ سے کیا گیا ہے وہ مصنف کے عہد سے بہت زیادہ قریب ہے واضح رہے کہ مؤلف کا انتقال ۶۴۶ھ میں ہوا ہے اس مطبوعہ نسخہ میں کتاب کا نام مختصر المنتہی الاصول ہے۔

مولانا کی تحقیقات کے ساتھ یہ کتاب تین ضخیم جلدوں میں مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی کلیۃ الشریعۃ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔

معجم الاصولیین

یہ مولانا کی علمی تحقیقات کا ایک نیا رخ ہے اصول فقہ سے غیر معمولی شغف کے نتیجہ میں مولانا نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہا میں بطور خاص ایسی باکمال شخصیات کے تعارف کے لئے الف بائی ترتیب کی بنیاد پر ایسی کتاب مرتب کی جائے جسمیں اصول فقہ سے مدرس یا مصنف کی حیثیت سے تعلق رکھنے والوں کا تذکرہ جمع کر دیا جائے مولانا نے ذاتی حالات کے بیان کے ساتھ اس بات کا التزام بھی کیا ہے کہ ہر مؤلف کی مطبوعہ یا مخطوطہ کی شکل میں موجود کتابوں کی نشاندہی بھی کردی جائے اور یہ بھی بیان کر دیا جائے

کہ یہ تصانیف کب اور کہاں شائع ہوئیں اور اگر مخطوطہ کی صورت میں محفوظ ہیں تو کہاں اور کس کتب خانے میں ہیں کشکول مظہری میں معجم الاصولیین کا تعارف کراتے ہوئے مولانا رقمطراز ہیں:

معجم الاصولیین یہ کتاب پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی اسکی پہلی دو جلدیں ہی طبع ہوئی تھیں کہ بعض اعلیٰ حلقوں سے اعتراضات ہوئے جیسا کہ مدیر شعبہ نے مجھے بتایا کہ اعتراضات دو تھے۔

۱۔ اس میں غیر اہل سنت کا ذکر کیوں کیا گیا

۲۔ اصولیین مغرب کی اصطلاح میں دہشت گردوں کو کہتے ہیں۔

میں نے باقی ماندہ تین جلدوں سے بعض معتزلہ کے سوئی تمام غیر اہل سنت کے تراجم نکال دیے اور چونکہ تیسری جلد شائع ہونے سے قبل میں ریٹائرڈ ہو چکا تھا اس لئے معہد البحوث کے ارباب حل و عقد نے اس کا نام بدل کر اعلام اصول الفقہ الاسلامی ومصنفوھم کر دیا چنانچہ تیسری جلد اسی نام سے شائع ہوئی اس میں ایک نقص یہ رہا کہ اس کے شروع میں یہ نہیں لکھا گیا کہ اسکی پہلی دو جلدیں معجم الاصولیین کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ باقی ماندہ دو جلدیں کب شائع ہوتی ہیں۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے ان میں سے پانچویں جلد خاص طور پر اس لئے اہم ہے اس میں میں نے مراسلت کے ذریعہ فراہم شدہ اصولیین کے حالات لکھے ہیں۔ معجم الاصولیین کی پہلی دو جلدیں ۱۴۱۴ھ میں شائع ہو چکی ہیں۔

شرح المغنی

مشہور حنفی عالم اور فقیہ شیخ جلال الدین عمر بن محمد الخبازی المتوفی (۶۹۱ھ) نے مقاصد کلیہ اصولیہ اور قواعد اصول فقہ پر "المغنی فی اصول الفقہ" کے نام سے ایک جامع کتاب تالیف کی جو بڑی مقبول ہوئی اور عرصہ تک علمی حلقوں میں متداول رہی کئی نامور علماء نے اسکی شروح لکھیں خود مؤلف نے بھی اپنی کتاب کی شرح تحریر کی مولانا نے مؤلف کی اس شرح کی اپنے روایتی علمی انداز میں تحقیق کی یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔

علاوہ ازیں اردو میں مولانا کی تحقیقات میں ابو العلاء المعری پر ایک رسالہ ہے جو ادارہ مجددیہ کراچی سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا ہے۔ "رسالہ فخر الحسن" کو آپ نے تحقیقی حواشی ترجمہ اور مقدمہ سے آراستہ کیا ہے جسے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا "اسلام کا نظام وراثت فقہ حنفی کے مطابق" اس موضوع پر آپ نے ایک کتاب تحریر کی اور اشاعت کے لئے پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ کو دی "حیات بقا" کے عنوان سے اپنی زندگی کے حالات تحریر کیے بقول مولانا یہ کتاب دراصل اپنے اہل خاندان کے لئے لکھی گئی ہے اور بقا پرنٹرز اینڈ پبلشرز کراچی سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی ۱۹۹۶ء میں " کچھ

یادیں" کے عنوان سے مولانا کی ایک اور کتاب بقا پرنٹرز کے تحت شائع ہوئی۔ "یادگار سفر" کے نام سے مولانا نے ایک تفصیلی سفرنامہ بھی تحریر کیا جسمیں حرمین کے علاوہ مصر، عراق، سوریا، اردن، ترکی، امریکہ، کینیڈا اور ہندوستان کے بارے میں اپنے مشاہدات اور تاثرات کا اظہار کیا ہے یہ کتاب ۱۱۰ نادر تصاویر سے آراستہ ہے اور بقا پرنٹرز سے پہلی بار جولائی ۱۹۹۹ء اور دوسری بار نومبر ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئی ہے "کشکول مظہری" کے نام سے مولانا کی ایک کتاب تصنیف ۲۰۰۱ء میں ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی سے شائع ہوئی مولانا اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل کے فضل وکرم اور اسکی توفیق سے برسوں میرا یہ طریقہ رہا ہے کہ مطالعہ کے دوران اگر کوئی بات مجھے پسند آئی تو اسے نوٹ کر کے ایک لفافہ میں رکھتا گیا اب جبکہ قویٰ مضمحل ہو چکے نہ دماغ میں طاقت رہی اور نہ نظریں اس قابل رہیں کہ کسی خاص نئے موضوع پر کچھ لکھ سکوں تو متفرق تحریروں کے اس لفافے کی طرف توجہ ہوئی دیکھا کہ اس میں اتنا مواد جمع ہے کہ ایک چھوٹی کتاب تیار ہو سکتی ہے چنانچہ وہی متفرق اور غیر مربوط باتیں ہیں جو اس کتاب میں پیش کی جارہی ہیں۔ غیر مربوط اس لئے کہ کشکول کا تقاضا ہی یہ ہے مرشدی حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدظلہ کے ارشاد کے مطابق اس کتاب کا نام کشکول مظہری رکھا گیا۔

مولانا اسلاف کی نشانیوں میں سے تھے قدیم وضع قطع پر آخروقت تک قائم رہے۔ عام طور پر سفید کرتا پاجامہ پہنتے تھے مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران عربی طرز کا لمبا کرتا زیب تن کرتے عمر کے آخری حصہ میں سفید عمامہ کا التزام رہا۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران بالالتزام حرم شریف میں تشریف لاتے اور بیشتر نمازیں وہاں ادا کرتے۔ پاکستان سے آمدہ حجاج کی خبر گیری کرتے معتمرین کو نہایت خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہتے ان کی گھر پر دعوت کرتے مکہ مکرمہ کے اہم مقامات کی زیارت کراتے۔

مولانا شریعت اور طریقت دونوں کے جامع تھے۔ آپ نے حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحب سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور بہت جلد روحانی مدارج طے کر کے صاحب نسبت ہو گئے۔ بقول حضرت شاہ صاحب آپ پر نسبت رسالت کا غلبہ تھا اسی نسبت کا اثر تھا کہ متعدد مرتبہ نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد آپ نے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب سے تجدید بیعت کی اور بہت کم وقت میں منازل سلوک کی تکمیل کر کے منصب خلافت سے سرفراز ہوئے۔

ملازمت کے انقطاع کے بعد جب آپ مستقلاً کراچی تشریف لے آئے تو اپنے آپ کو دعوتی

واصلاحی کاموں کے لئے وقف کر دیا۔ ہر ہفتہ آپ کی قیام گاہ پر باقاعدہ حلقۂ ذکر و مراقبہ منعقد ہوتا تھا درس حدیث کا سلسلہ بھی آخروقت تک جاری رہا یہ درس علمی نکات پر مشتمل لیکن عام فہم ہوتا تھا آخر وقت تک حافظہ قوی اور علمی نکات مستحضر رہے۔ سیرت و کردار وعظ و بیان اور حلقہ ہائے ذکر کے ذریعے ایک بڑی تعداد آپ سے فیضیاب ہوئی۔ متوسلین اور مریدین کا ایک وسیع حلقہ آپ نے یادگار چھوڑا ہے۔

سفر آخرت کا ہمیشہ دھیان رہا یہ کٹھن منزل کبھی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہی۔ مولانا کی کتاب "سفر یادگار" کے ایک اقتباس سے فکر آخرت کے حوالے سے ان کے اضطراب اور بے چینی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے لکھتے ہیں:

"اب جبکہ عمر ۷۶ سال سے تجاوز کر چکی ہے اور سفینۂ حیات لب ساحل آچکا ہے ایک مختصر مگر آسان تریا خدانخواستہ دشوار تر سفر ہر وقت ذہن پر مسلط رہتا ہے وہ ہے سفر آخرت جس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں"۔

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

افسوس یہ ہے کہ پیری و صد آزاری کیوجہ سے موت سامنے نظر آرہی ہے لیکن اس کے لئے کوئی تیاری نہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ آخر عمر میں بکثرت یہ دعا پڑھ کر رویا کرتے تھے:

رنگالے چندیا بھاگ لے ری سیس
تو کیا کیا کرگی ارے ون کے دن
نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی
کھڑی منہ تکے گی اری دن کے دن

جانتا ہوں اگر بے زاد راہ خالی ہاتھ یہ سفر پیش آیا تو انجام کیا ہوگا اس کے باوجود جہاں تک اس کے لئے کماحقہ تیاری کا تعلق ہے یعنی اطاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی میں نے اس سفر کو مختصر اس لئے کہا ہے کہ:

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

سانس آگئی تو جہاں فانی میں ہیں نہ آئی تو جہان باقی میں پہنچ گئے

یہ سفر آسان تریا دشوار تر اس لئے ہے کہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار

(قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا)

اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ایمان پر خاتمہ فرمائے اور عالم آخرت کی پہلی برزخی منزل کو ایک باغ بنادے کہ اس کی آخر منزل جنت ہے آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

اس اقتباس پر اس دعا کے ساتھ یہ مختصر تاثرات ختم کیے جاتے ہیں:

اللهم اغفرله وارحمه وادخله الجنة واعذه من النار

حوالہ جات

۱۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، مظہر بقا، کراچی بقا پبلیکیشنز، طبع دوم ۱۹۸۶ء

۲۔ ایضاً ص ۱۲۲

۳۔ ایضاً ص ۲۰۰

۴۔ ایضاً ۱۲۳

۵۔ ایضاً ص ۱۲۲

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

کیا مہر کے بغیر نکاح ہو سکتا ہے؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ کیا یہ درست ہے؟ قرآن کریم میں مہر کے بارے میں کیا کہا گیا ہے۔ برائے کرم میری رہنمائی فرمائیں۔ (شفقت نواز، ملت ٹاؤن، کراچی)

الجواب: میرے بھائی! آپ کے سوال کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ نکاح کے لئے مہر کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ لیکن اسے انعقاد نکاح کے لئے شرط قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ کہتے ہیں کہ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ وہ درست نہیں ہیں۔ (قرآنی دلیل ذرا آگے آتی ہے) جہانتک آپ کے سوال کے دوسرے جز کا تعلق ہے کہ قرآن کریم میں مہر کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟ تو اس کا جواب قدرے تفصیل سے پیش کیے دیتا ہوں۔ اس تفصیل میں آپ کے سوال کے پہلے جزو کی بھی شرح ہو جائے گی۔

میرے محترم! جسے ہم اپنی زبان و اصطلاح میں مہر کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسکے لئے درج ذیل چار الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۱۔ مال ۲۔ صدقہ ۳۔ اجر ۴۔ فریضہ

واضح رہے کہ مہر کوئی متعین رقم نہیں۔ جسکے عوض عورت کو خریدا جاتا ہو۔ یہ محض ایک تحفہ ہوتا ہے جسے برضا و رغبت دیا جاتا ہے۔ لیکن اسکا دینا ضروری ہے۔

اب آپ مہر کے تعین سے قرآنی الفاظ اور ان کے مقامات ملاحظہ فرمایئے:

سب سے پہلے مہر کے مفہوم کو جہاں لفظ "مال" سے ادا کیا گیا ہے۔ وہ دیکھئے واضح ہو کہ اس میں محرمات نکاح کے تفصیلی ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے۔

واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغو با موالكم ۔۔(النساء۲۴)

اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال ہیں (اس طرح) کہ تم اپنے اموال کے ساتھ (ان کو) نکاح میں لانا چاہو۔

اس مال دینے کو اصطلاح میں مہر کہتے ہیں۔ لفظ صدقہ بھی مہر کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد پاک ہے۔